اسلام کے قانون وراثت میں عورت کا حصہ (ایک جائزہ)

تحریر: شگفتہ بانو، لیکچرر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، باغبانپورہ لاہور

اسلام نے انسانوں کو جو عادلانہ نظام زندگی عطا فرمایا ہے اس کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں معاشرے کے تمام افراد کی ضروریات اور ان کی حیثیات کا خیال رکھا گیا ہے، اسلام معاشرے کے ہر ایک فرد کے ساتھ مکمل طور پر عدل وانصاف کرنے کا قابل بھی ہے اور اس کا محرک ومؤید بھی۔

اسی ضمن میں اسلام کے قانون وراثت کو بطور مثال پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔ اسلام سے قبل "عورتوں" کیلئے وراثت میں حصہ پانے کا تصور بھی موجود نہ تھا۔ بلکہ عورتوں کو حصہ دینے کے بجائے لوگ خود ان کو "مال وراثت" سمجھ کر ان پر قابض ہوجایا کرتے تھے، ارشاد باری تعالی ہے:

یایھاالذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوالنساء کرھاً (۱)

اے اہل ایمان تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔

اسلام کے قانون وراثت میں "خواتین" کو جہاں حصہ دیا گیا ہے وہاں ان کی کفالت اور نان ونفقے کی ذمہ داریاں مردوں کے کندھوں پر عاید کی گئی ہیں۔ اس لئے ان کا حصہ مردوں کے مقابلے میں نصف رکھا گیا ہے۔ اسلام کے قانون وراثت کا یہ پہلو دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔ ہم ذیل میں اس کے مختلف پہلوؤں کا ایک جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

۱۔وراثت کا لغوی مفہوم

وراثت کا لفظ "ارث" سے مشتق ہے۔ ارث کے لغوی معنی "بقیہ شئی" کے ہیں (۲)

چنانچہ وارث کو وارث اس لیے کہاجاتا ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ اسی لئے خدا کا ایک نام "الوارث" بھی ہے کیونکہ وہ تمام مخلوقات کی فنا کے بعد باقی رہے گا اور لوگ جو کچھ چھوڑیں گے ان سب کا مالک ہوگا۔ چنانچہ امام ابن منظورالافریقی

لکھتے ہیں:

الوارث : صفة من صفات اللّٰهعزوجل وهوالباقی الدائم الذی یرث الخلائق ویبقی بعد فنائهم واللّٰه عزوجل یرث الارض ومن علیها وهو خیر الوارثین ای یبقی بعد فناء لکل ویعنی من سواه فیرجع ماکان ملک العباد الیه وحده لا شریک له(۲)

"الوارث اللہ عزوجل کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور وہ باقی و قائم رہنے والا ہے اور اللہ تعالی زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کا وارث ہے اور وہ سب سے بہتر وارث ہے، یعنی عمل فنا کے بعد باقی رہنے والا اور اس کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور بندوں کی تمام ملکیت اسی وحدہ لاشریک کی طرف لوٹنے والی ہے۔

علامہ وحید الزمان فرماتے ہیں:

ورث یااوثة یا ورثة یا ورثه یا تراث

کا مطلب ہے ترکہ ملنا، تراث و میراث ترکہ: توریث وارث بنانا یعنی میت کے مال میں سے اس کو کچھ دلانا، ایراث: وارث بنانا توراث ایک دوسرے کا وارث ہونا ہے(۳)

۲۔اصطلاحی مفہوم

قانون شریعت کی رو سے وارثت سے مراد کسی شخص کی وفات پر، اس کے مال منقولہ وغیر منقولہ کی اس کے وارثوں کی طرف منتقلی ہے، جو حصول ملکیت کے جائز اور قانونی اسباب میں سے ایک قوی سبب ہے:

"الوراثة والارث انتقال قضیة الملک عن غیرک من غیرعقد ولا مایجری مجری العقد وسعتی بذاک المنتقل عن المیت فیقال للقضیة المورثة میراث(۴)

الوارثۃ کے معنی عقد شرعی (بیع و شراء) یا جو عقد شرعی کے قائم مقام ہے، کے بغیر کسی چیز کے ایک شخص کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملیکت میں چلے جانے کے ہیں، اس سے میت کی طرف سے جو مال ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اس کو میراث کہا جاتا ہے۔

مجموعہ قوانین اسلام کے مرتب ڈاکٹر جسٹس تنزیل الرحمن صاحب لکھتے ہیں:

وراثت ایک غیر اختیاری انتقال ملکیت ہے، جس کے ذریعہ ایک متوفی کا ترکہ اس

کے ورثاء کے حق میں بطریق خلافت (جانشینی) منتقل ہوجاتا ہے(۵)
اسی طرح ذکاء اللہ صاحب بھی تقریباً یہی معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حق وراثت سے مراد وہ حق ہے، جو کسی ایک شخص کو دوسرے شخص کی جائیداد میں یا اس کی جائیداد سے متعلق اس بنا پر پیدا ہوتا ہے کہ وہ شخص صاحب جائیداد کا رشتہ دار ہے یا معاھد ہے"(۶)

دوسرے الفاظ میں اصطلاح میں وراثت سے مراد ہے، کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے احوال و املاک کا ترکہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجانا۔

اہل فقہ کی اصطلاح میں اس علم کو "علم الفرائض" کے نام سے یاد کیاجاتا ہے ہے۔ یہ نام اسے نبی اکرم ﷺ نے خود عطا فرمایا تھا، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

الحقوا الفرائض باهلها (۷) میراث ان کے حقداروں کو پہنچادو

۳۔ قبل از اسلام عورت کا وراثت میں حصہ

قانون قدرت میں اگرچہ مرد اور عورت میں فرق نہیں کیا گیا، عورت بھی اس نظام تخلیق سے پیدا ہوتی ہے، جس نظام کے تحت مرد کی تخلیق ہوتی ہے، لیکن جاہلیت کے دور میں مردوں اور عورتوں میں بہت سے مسائل و معاملات میں فرق تھا۔

اس زمانے میں عورت کو وراثت کا حقدار تسلیم نہیں کیاجاتا تھا۔ اہل عرب کا کہنا تھا کہ وراثت کا حقدار صرف وہی ہے جو تلوار اٹھانے، یعنی لڑنے کی طاقت رکھتا اور گھوڑے پر سوار ہوسکتا ہو۔ نیز دشمنوں کا مقابلہ کرکے اس کا مال غنیمت جمع کرسکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ صنف ضعیف یعنی بچے اور عورتیں اس اصول پر پورا نہ اتر سکتی تھیں۔ اس لیے وراثت سے محروم رہتی تھیں، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"وراثت کا سبب صرف قتال کے قابل ہونا تھا اور ظاہر ہے کہ چھوٹے بچے اور نساء (عورتیں) قتال کے قابل نہ تھیں اس لیے انہیں ورثہ سے محروم رکھاجاتا تھا"(۸)

مفتی محمد شفیع کے بقول:

"ان کے اصول وراثت کی رو سے صرف جوان بالغ لڑکا ہی وارث ہوسکتا تھا۔ لڑکی مطلق وارث نہ سمجھی جاتی تھی خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ لڑکا بھی اگر نابالغ ہوتا تو وہ بھی مستحق

وراثت نہ تھا"(۹)
نہ صرف یہ کہ اپنے شوہر کی وراثت نہ تھی، بلکہ خود حصہ میراث تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:
"عورت جس کے نکاح میں آگئی وہ اس کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث ہوتے تھے۔ اسی طرح اس کی بیوی کے بھی مالک اور وارث جانے جاتے تھے۔ چاہیں تو خود اس سے نکاح کر لیں یا کسی دوسرے سے مال لے کر اس کا نکاح کر دیں۔ شوہر کا لڑکا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ خود بھی باپ کے بعد اس کو نکاح میں لا سکتا تھا"(۱۰)
اسی طرح ماں اور بیٹی بھی وراثت کی حقدار نہ تھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ قبل از اسلام عرب میں مال کا حقدار صرف لڑکا تھا۔ ماں باپ کو بطور وصیت کچھ مل جاتا تھا۔ مزید فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلایا جا رہا ہے، حالانکہ ان میں سے نہ کوئی لڑائی کر سکتی ہے نہ مال غنیمت لا سکتی ہے۔ اچھا تو تم اس آیت سے خاموشی برتو، ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت بھول جائے یا ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ان احکام کو بدل دیں۔ پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں، حالانکہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے قابل ہے نہ دشمن سے لڑنے کے۔ آپ بچے کو ورثہ دلوا رہے ہیں بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے"(۱۱)

۴۔ اسلام کا تصور وراثت اور عورت

اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے ہر قانون کی طرح وراثت کا قانون بھی ہر پہلو سے کامل ترین قانون ہے جس میں کہیں بھی خواتین کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اور آیات میراث کے نزول کا سبب بھی خواتین کو ان کا حق دلانا تھا، چنانچہ مفسرین نے آیات میراث کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ:
نبی اکرم ﷺ کے عہد میں ایک صحابی حضرت اوسؓ بن ثابت کا انتقال ہوا۔ انہوں نے دو لڑکیاں، ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیوی وارث چھوڑی۔ مگر عرب کے قدیم دستور کے

مطابق ان کے دو چچازاد بھائیوں نے آکر مرحوم کے پورے مال پر قبضہ کرلیا اولاد اور بیوی میں سے کسی کو بھی کچھ نہ دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک عورت مطلقاً مستحق وراثت نہ تھی خواہ بالغ ہو یا نابالغ اس لئے بیوی اور دونوں لڑکیاں تو محروم ہو گئیں لڑکا بوجہ نابالغ ہونے کے محروم کردیا گیا۔ لہذا پورے مال کے وارث دونوں چچازاد بھائی ہو گئے"۔

حضرت اوسؓ بن ثابت کی بیوی نے یہ بھی چاہا کہ یہ چچازاد بھائی جو پورے ترکہ پر قبضہ کرر ہے ہیں ان دونوں لڑکیوں سے شادی بھی کرلیں تاکہ ان کی فکر سے فراغت ہو، مگر انہوں نے یہ بھی قبول نہ کیا حضرت اوسؓ بن ثابت کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اور اپنی اور اپنے بچوں کی بے کسی اور محرومی کی شکایت کی ۔ اس وقت تک چونکہ قرآن مجید میں آیات میراث نازل نہ ہوئی تھیں ،اس لیے نبی اکرم ﷺ نے جواب دینے میں توقف کیا۔ آپ کو اطمینان تھا کہ وحی الہی کے ذریعہ اس ظالمانہ قانون کو ضرور بدلا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

للرجال نصيب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه اوكثر نصيباً مفروضاً(١٣)

مردوں کیلئے حصہ ہے اس مال میں سے جو چھوڑگئے والدین اور قرابت والے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے، اس میں سے جو چھوڑگئے والدین اور قرابت والے ترکہ، تھوڑا ہو یا بہت، معین حصہ ہے"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دور جاہلیت کی ان رسموں کی جڑیں کتنی گہری تھیں۔

اسلامی قانون وراثت ورثاء کو تین درجات میں تقسیم کرتا ہے جن میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ ترکہ میں سے حصہ پاتی ہیں۔ وہ تین درجات یہ ہیں:

١-ذوی الفروض

فروض یا فرائض فریضہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں "معینہ" اسی طرح ذوی الفروض سے مراد ترکہ میں معینہ حصہ دار ہیں"

هم اصحاب هذه الانصباء التى بينهاالشرع(١٤)

بقول صاحب اسباب الترکات والمواریث ان کی تعریف یوں کی گئی ہے۔
اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حصے شریعت نے بیان کیے ہیں:
مولوی فیروزالدین صاحب لکھتے ہیں:

"یہ وہ وارث ہیں جن کا حصہ قرآن حکیم یا حدیث یا اجماع امت سے مقرر ہوچکا ہے" (۱۵)

ان کی کل تعداد بارہ ہے، چار مرد اور آٹھ عورتیں، مرد حسب ذیل ہیں:
باپ، دادا، اخیافی بھائی، اور خاوند۔
عورتیں حسب ذیل ہیں:
بیوی، بیٹی، پوتی، اور اس کے بچے، عینی بہن، پھوپھی، خالہ، ماں اور دادی (نانی)

۲۔ عصبات

عصبات عصبہ کی جمع ہے عصبہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

العاصب فی المیراث من لیس له فرض مسمی

یعنی علم المیراث میں عاصب اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کا میراث میں کوئی معین حصہ موجود نہ ہو۔

دوسرے لفظوں میں عصبات ایسے رشتہ دار ہیں، جو ذوی الفروض سے بچا ہوا حصہ پاتے ہیں، چنانچہ اگر اصحاب الفروض میں سے کوئی حصہ دار موجود نہ ہو، تو وہ سارے ترکے کا وارث ہوتا ہے۔

عصبات دو طرح کے ہیں، عصبات نسبیہ، یعنی ایسے رشتہ دار جو نسب کی طرف منسوب ہوتے ہیں، مثلاً بیٹا، باپ، عینی یا علاتی بھائی، چچا، چچازاد بھائی، عصبات سببیہ یعنی ایسے عصبات جن کے ساتھ ولاء العتاقہ (آزاد کرنے کی صورت میں) یا ولاء الموالات ہو (۱۶)
ذوالفروض کو مقررہ حصہ دینے کے بعد جو بچ رہتا ہے وہ عصبات کا حق ٹھہرتا ہے۔

۳۔ ذوی الارحام

"میت کے وہ تمام قرابت دار ذوی الارحام کہلاتے ہیں جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات جیسے ماموں خالہ وغیرہ (۱۷)

دوسرے لفظوں میں یہ وہ رشتے دار ہیں، جن کے حصے قرآن، حدیث اور اجماع امت میں متعین نہیں، مثلاً میت کی بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی اولاد، ماموں، خالہ اور پھپھیاں، چنانچہ میت کے وارثوں میں سے کوئی ذی فرض موجود نہ ہو تو ان کے بچے ہوئے ترکے کو ذوی الارحام میں بانٹ دیا جاتا ہے۔

ان تینوں درجات میں عورتیں شامل ہیں۔اب آیات قرآنی کی روشنی میں عورتوں کے حصہ وراثت کو دیکھتے ہیں۔ اسلام نے ماں، بہن، بیوی بیٹی الغرض ہر کسی کا حصہ مقرر فرمایا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ماں

ذوالفروض میں شامل ہے اس کو کسی طرح وراثت سے محروم نہیں کیاجاسکتا وہ اپنے بیٹے یا بیٹی کی اصل جائیداد میں سے حصہ ضرور پائے گی۔ اگرچہ افراد کی کیفیت مختلف ہونے سے حصہ کم وبیش ہوسکتا ہے، لیکن ملے گا ضرور۔ جیسے کہ اگر متوفی کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، ارشاد باری تعالی ہے:

ولابویه لکل واحدمنهما السدس مما ترک ان کان له ولد(۱۸)

اگر متوفی کی اولاد ہو نہ تو والد کو ایک حصہ ملے گا:

فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلث(۱۹)

اور اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں، تو اس کی ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا۔

فان کان له اخوةفلامه السدس(۲۰)

اگر متوفی کے کئی بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) بیوی

بیوی کا شمار بھی اصحاب الفروض میں کیاجاتا ہے۔ وہ اپنے شوہر کی خالص املاک کا آٹھواں حصہ پانے کی حقدار ہے اور اگر مرد ایک سے زائد بیویاں چھوڑ کر مرے تو یہ آٹھواں حصہ ہی تمام بیویاں آپس میں بانٹ لیتی ہیں اور اگر آدمی بے اولاد مرے تو بیوی کا حصہ ایک چوتھائی بنتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم (۲۱)

"اور ان بیویوں کا چوتھائی حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے"۔

(۳) بہن

کبھیں عصبہ کے طور پر اپنا حصہ پاتی ہے اور کبھی ذوالفروض میں شامل ہو کر ترکہ کا آدھا حصہ پاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان امرؤ هلک لیس له ولد وله اخت فلها نصف ماترک وهو یرثها ان لم یکن لها ولد. فان کانتااثنتین فلهما الثلثن مما ترکن کانوا اخوة رجالا ونساء فللذکر مثلا حظ الانثیین (۲۲)

یعنی اگر کسی مرد کا انتقال ہو جائے جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا حصہ ہے۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی ہوگا۔ اگر بہن بھائی ہوں تو مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وان کان رجل یورث کلالةً او امراءة وله اخ او اخت فلکل واحد منهماالسدس. فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث(۲۳)

"یعنی اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جو کلالہ (وہ شخص جس کے والدین، اولاد، دادا، پوتا کوئی زندہ نہ ہو صرف بہن بھائی ہوں) اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے"۔

یہاں بہن نے بطور عصبہ اپنا حصہ پایا ہے۔

اسی جگہ ارشاد ہے:

یوصیکم اللهفی اولادکم للذکرمثل حظ الانثیین فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان کانت واحدة فلها النصف(۲۴)

"یعنی اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے

پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ سے دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا ملے گا۔

یعنی متوفی (تارک جائیداد) کی بیٹیاں اپنے بھائی یا بھائیوں کے ساتھ بطور عصبہ وارث ترکہ ہوں گی۔ بیٹی بھائی کی نسبت آدھے حصے کی وارث ہے۔

ان حیثیتوں کے علاوہ بھی عورت دوسری حیثیتوں، مثلاً بحیثیت پدری بہن، اخیافی بہن، پوتی، دادی، نانی، خالہ اور پھوپھی کے طور پر بھی حالات کے مطابق حصہ پاتی ہے۔

مختصراً یہ کہ اسلام نے عورت کو وراثت میں محروم نہیں رکھا، بلکہ ہر پہلو سے اس کا خیال کیا ہے اور حالات و وقت کے مطابق مختلف حیثیتوں میں کم و بیش اس کو حصہ دلایا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل مرد کو تو کسی نہ کسی صورت میں جائیداد سے حصہ مل جاتا تھا لیکن عورت محروم ہی رہتی تھی۔

عورت کا حصہ مرد سے آدھا کیوں؟

اب ہم اسلام میں عورت کے حصہ کا مرد سے آدھا ہونے پر کئے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ دراصل یہ ہماری کم علمی ہے کہ اسلامی نظام وراثت کا نام آتے ہی اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، مثلاً یہ کہ عورت کے ساتھ جنسی تخصیص روا رکھی گئی ہے یا یہ کہ عورت کو آدھے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو دو حصے دیئے جائیں اور عورت کو ایک، جب کہ عورت زیادہ قابل رحم ہے اور زیادہ مستحق مال ہے۔ وہ مردوں کی طرح تجارت وزراعت نہیں کرسکتی۔ شوہر کی دست بستہ غلام ہے۔ بچوں کی پرورش کرنے والی ہے، علاوہ ازیں حمل کی گرانی، پیدائش کی تکلیف اور رضاعت کی محنت اسے بالکل ناتواں کردیتی ہے۔ اس لئے اس پر ہونا تو یہ چاہیے تھا اور اگر زیادہ نہیں تو کم ازکم برابر تو ضرور ہی ہونا چاہیے تھا۔

ان سارے اعتراضات کی وجہ دراصل ہماری کم علمی اور ہمارے ہاں عورت کی موجودہ ابتر معاشی حالت ہے اور اس حالت کا سبب اسلامی نظام میراث نہیں، بلکہ ہمارا معاشرہ ہے۔ ہمارے معاشروں میں آج تک عملی زندگی میں عورت کے حق وراثت کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، عموماً عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے خصوصاً بیٹیاں

پرایا دھن سمجھی جاتی ہیں، لہذا انہیں بوقت شادی جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر رخصت کردیا جاتا ہے اور انہیں خاندانی جائیداد اور وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا، حالانکہ ایسا کرنے والا صریحاً خدا اور رسول کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذاقضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضللا مبيناً (۲۵)

اور کسی مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو کوئی نہ مانے گا اللہ اور اس کا رسول کا حکم وہ بے شک صریح گمراہی میں ہے۔

اللہ تعالی کے اس نظام کی مصالح اور حکمتوں کو کماحقہ سمجھنا، یہ ہماری ناقص و ناتواں عقل سے باہر ہے۔ بایں ہمہ ہمارے خیال میں اس حکم کی مصالح حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام میں عورت کا حصہ میراث نصف مقرر کرنے میں خدا تعالی کی حکمت عظیم کارفرما ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مرد کو دوگنا حصہ اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے دیا ہے کیونکہ زندگی کی زیادہ تر معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریاں بنیادی طور پر مردوں پر ہیں۔ جن سے عورت بالکل مستثنی ہے، بلکہ خود عورت کا اپنا معاشی بار بھی شادی سے پہلے اپنے سرپرست پر رکھا گیا ہے اور شادی کے بعد خاوند یا اس کی اولاد پر، ایسی صورت میں دونوں کو مساوی حصے دینا کسی طرح قرین انصاف نہ تھا، چنانچہ سید محمد قطب اس بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلام کا قانون یہ کہ للذکر مثل حظ الانثیین (مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہے) بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے کیوں کہ عورت پر مالی اخراجات کا بوجھ نہیں ہوتا، دوسرے انداز سے دیکھیے کل ورثہ کا ایک تہائی عورت کو صرف اپنی ذات کیلئے ملتا ہے، جبکہ باقی دوتہائی مرد کو دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنی بیوی، بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے عورت کو یا مرد کو؟(۲۵)

مرد سارے خاندان کی معاشی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے، اگر وہ بیوی کو نان ونفقہ دینے سے انکار کردے یا آمدنی کے لحاظ سے اس کو خرچ کم دے تو بیوی ذاتی طور پر مالدار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی اس کے خلاف مقدمہ دائر کرکے نان ونفقہ کا مطالبہ

کر سکتی ہے، اس لئے مرد کو سارے گھرانے کا سربراہ ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں پوری کرنی پڑتی ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ اسے وراثت میں دگنا حصہ دیا جاتا ہے۔

۲۔ میراث میں آدھے حصہ کی تلافی بھی اسلام کرتا ہے وہ اس طرح کہ ایک تو بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جو کہ بلا شرکت غیرے صرف اس کا ذاتی حق ہے دوسرا یہ کہ شادی میں جو مال و زیور اور تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں اس کی مالک بھی وہ عورت خود ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کوئی جائیداد وغیرہ ہے تو وہ صرف اسی اکیلی خاتون کا حق ہے کوئی اسے اس کے خاوند یا بچوں پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا جبکہ مرد قانوناً اپنے حصہ کے مال و دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کیلئے مجبور ہے۔ محمد قطب لکھتے ہیں:

"اگر کوئی عورت صاحب جائیداد ہو تو اس کا خاوند اس کی مرضی کے بغیر اس سے یہ جائیداد نہیں لے سکتا ہے" (۲۷)

ماں باپ کی طرف سے ملنے والا ورثہ بھی ذاتی طور پر اسے مل جاتا ہے۔ اور اسے اپنے بچوں یا شوہر کی کفالت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۳۔ ان دو پہلو سے قطع نظر جہاں اسلام نے محض رشتہ کا خیال کیا ہے وہاں عورت اور مرد دونوں کو مساوی درجہ دیا ہے مثلاً میت کی اولاد کی موجودگی میں والدین کے حصے یکساں رکھے گئے ہیں۔ یا اخیافی (ماں جائے بہن بھائی) کے حصوں کے درمیان بھی اسلام نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

۴۔ اس سلسلہ میں ایک اور حکمت یہ بھی ہے کہ شریعت نے یہ اصول پیش کیا ہے۔

الحقو الفرائض باھلھا فما بقی فھی لاولی رجل ذکر (۲۸)

حقوق کو اصحاب حقوق تک پہنچاؤ اور جو کچھ باقی رہے تو وہ قریبی رشتہ دار مرد کا ہے۔

اسلام نے مرد پر مالی بار ڈالنے کے ساتھ رجال خاندان کے درمیان تعاون و تناظر کے ضابطے بھی مقرر کئے ہیں۔ یہ ضابطے نہ صرف اخلاقی اہمیت کے حامل ہیں، بلکہ انہیں قانونی اور دستوری حیثیت بھی حاصل ہے۔ اگر ایک شخص افلاس کا شکار ہو جائے تو رجال خاندان میں نسبتاً جو اس سے قریب تر ہو گا اس پر سب سے زیادہ مالی تعاون اور کفالت کی ذمہ داری ہو گی۔

۵۔ قانون وراثت میں اصل اہمیت چونکہ نسب کو دی جاتی ہے اس لئے اس ضابطہ کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ ہی حصہ ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت

مورث سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور اس مرد سے زیادہ حصہ پائے جو مورث کا دور کا رشتہ دار ہے اور بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاندان (والد، والدہ، بھائی ، بہن وغیرہ) سے بھی وراثت میں حصہ پاتی ہے، اور اپنے خاوند کے خاندان (خاوند، اپنے بیٹے بیٹیوں، وغیرہ) سے بھی اس طرح اس کیلئے تلافی کی ایک صورت بہرحال موجود ہے۔

باہیں ہمہ شریعت اسلامیہ کے پورے قانون میں ، معاشی ، معاشرتی اور قانونی ذمہ داریاں چونکہ زیادہ تر مرد پر ہی عائد کی گئی ہیں، اس لئے عورت کو مرد کے مقابلے میں اکثر اوقات نصف حصہ یا نصف رقبہ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وراثت ، دیت اور قانون شہادت وغیرہ میں، عورت ہر جگہ مرد کے مقابلے میں نصف حصے کی مالک ہے۔ مگر اس کا مطلب عورت کے درجے اور رتبے میں کمی ہر گز نہیں ، بے شمار دوسرے مواقع پر عورت کا درجہ زیادہ مساوی رکھا گیا ہے۔ مثلاً علم عمل اور اخروی اجر و ثواب کے حصول میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ خدمت واطاعت میں ، اولاد کیلئے والدہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اولاد میں سے دختری اولاد کی پرورش تربیت اور نگہداشت پر ، لڑکوں کی نسبت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر اللہ تعالی نے عورت کا درجہ مرد سے بڑھا دیا ہے، اس طرح شریعت نے دونوں کے مابین توازن اور اعتدال قائم رکھا ہے، جو کہ صحت مند معاشرے کیلئے ضروری ہے۔

حوالہ جات۔ حواشی

۱۔ النساء، ۴:۱۹

۲۔ مجدد الدین محمد الفیروز آبادی، القاموس المحیط، ۱:۱۶۷، مطبع مصطفے البابی قاہرہ۔

۲۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، ۱۰:۱۰۳ دار بیروت للطبعۃ والنشر، بیروت

۳۔ وحید الزمان، انوار اللغۃ، ۴:۳۳ کتاب الواؤ، شوکت الاسلام کنٹونمنٹ، بنگلور

۴۔ راغب اصفہانی، امام، المفردات فی غریب القرآن، ۵۴۹ مطبعہ المیمنیہ مصر

۵۔ تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ۵:۱۵۸۵ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۷۸ء

۶۔ ذکاء اللہ، ذکائیہ (قانون میراث اسلامیہ پاکستان)، ۴۰۹، اشرف پریس، لاہور۔

۷۔ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض

۸۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱/۱۴:۲۶

۹۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۲:۳۱۰، ادارہ المعارف کراچی ۱۹۸۷

۱۱۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ۱:۵۸۴ دار احیاء المتراث العربی، بیوت

۱۲۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ۲:۳۰۹-۳۱۰، ادارہ المعارف کراچی ۱۹۸۷

۱۳۔ النساء:۴:۷

۱۴۔ بدران ابواک عینیں: الترکات والمواریث، ص:۱۰۷-۱۰۸

۱۵۔ فیروزالدین، حقوق و فرائض اسلام، ۳۶۲ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور۔

۱۶۔ تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ۵:۱۹۸۹ء۔

۱۷۔ ایضاً ۱۹۸۸ء

۱۸۔ (النساء، ۴:۱۱)

۱۹۔ النساء، ۴:۱۱

۲۰۔ النساء، ۴:۱۱

۲۱۔ النساء،۴:۷
۲۲۔ النساء،۴:۱۷۶
۲۳۔ النساء،۴:۷
۲۴۔ النساء،۴:۱۱
۲۵۔ الاحزاب،۳۳:۳۶
۲۶۔ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات(م) سلیم کیانی، ۱۸۹، البدر پبلیکیشنز لاہور۔
۲۷۔ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات(م) سلیم کیانی، ۱۸۹، البدر پبلیکیشنز لاہور۔
۲۸۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض۔